مدارس دینیہ اور عربی زبان کا فروغ

مولانا نور البشر محمد نور الحق

مدارس دینیہ اور عربی زبان کا فروغ : اس اہم ترین موضوع پر بولنا، اس کا کما حقہ حق ادا کرنا اور موضوع کا تمام جوانب سے احاطہ کرنا، مجھ جیسے ہیچ مدان کے بس کی بات تو نہیں، تاہم اکابرین واحباب کے اعتماد پر پورا اترنے کے لیے سب سے پہلے اللہ جل شانہ سے مدد طلب کرتا ہوں اور پھر اپنے چند منتشر خیالات کا اظہار کروں گا۔ ان منتشر خیالات کی طرف اس اعتبار سے حضرات اہل علم کی توجہ چاہوں گا کہ یہ ایک طالب علم کے خالص علمی خیالات ہیں ان میں علمی اعتبار سے سقم تو ہو سکتا ہے تاہم یہ باتیں دل کی گہرائیوں سے پیش کی جارہی ہیں۔

عربی زبان کی اہمیت: سب سے پہلے اصولاً مجھے عربی زبان کی اہمیت اور اس کے مقام پر بیان کرنا چاہیے، تاہم چونکہ یہ اہلِ علم کی مجلس ہے، ہر شخص اس کی اہمیت اور مقام سے اچھی طرح واقف ہے اس لیے میں نہایت سرسری انداز سے اس کی طرف اشارہ کروں گا۔

عربی زبان قرآن کریم کی زبان، حضور خاتم النبیین ﷺ کی زبان، عبادت کی زبان اور آپس کے تعلقات وتخاطب کی زبان ہے۔

> قرآن کریم اور دین کی زبان ہونے کی حیثیت سے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ جل شانہ نے لے لیا ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْن ﴾ دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے، سورج، چاند اور مریخ کو مسخر کرے یا ثوابت وسیار کے ماورا پر کمندیں ڈالے، یہ قرآن ہر مرحلہ اور ہر زمانہ کے لئے اپنی ہدایتوں کی کرنیں بکھیرتا رہے گا، اور جب تک یہ قرآن کریم موجود ہے عربی زبان کی حلاوت وطلاوت، اس کی شوکت، اس کی اثر آفرینی اور اسکی ضیاپاشیاں برقرار رہیں گی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی آیت: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ

تَعْقِلُوْنَ﴾ کے تحت کتنی خوبصورت اور جامع بات ارشاد فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیے، وہ فرماتے ہیں:

> ”وذلك لأن لغة العرب أفصح اللغات، وأبينها، وأوسعها، وأكثرها تأدية للمعاني التى تقوم بالنفوس، فلهذا أنزل أشرف الكتب بأشرف اللغات، على أشرف الرسل، بسفارة أشرف الملائكة، وكان ذلك في أشرف بقاع الأرض، وابتدئ إنزاله في أشرف شهور السنة، وهو رمضان، فكمل من كل الوجوه“۔

پھر چونکہ قرآن کریم اور اس کے ضمن میں عربی زبان کو رہتی دنیا تک کے لیے، قیامت تک آنے والی ہر قوم اور ہر طبقہ کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ اللہ تعالی نے بنایا ہے، اس لیے اس کے اندر وہ صوتی، اشتقاقی اور وزن و بناء کی خصوصیات رکھیں، اس کے الفاظ و کلمات اور اس کی تراکیب کو ایسے ممتاز اسلوب، متمیز معانی اور اعلی تأثیر سے موصوف کیا کہ دنیا کی کسی زبان کو یہ تمام خصوصیات و امتیازات یکجا طور پر حاصل نہیں ہیں۔

یہ محض اِدّعا نہیں، بلکہ اس کے پیچھے بحمداللہ واقعات و شواہد کے بے شمار دلائل ہمارے پاس موجود ہیں، چونکہ اس وقت یہ موضوع نہیں، اس لیے ہم اس سلسلہ میں بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مدارس دینیہ اور عربی زبان: اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں اور وہ ہے ”مدارس دینیہ اور عربی زبان“ اس پر بات آگے بڑھانے سے پہلے میں اپنے معزز سامعین کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ برصغیر میں ہمارے دینی مدارس کے انشاء و وجود کی ایک تاریخ ہے، اس تاریخ کے بغیر شاید ہم عربی زبان کے حوالہ سے واضح بات نہ کرسکیں۔

تمام اہلِ علم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ یوں تو مشائخ سے تلقّی، اور درس گاہوں اور مساجد کے اندر استاذوں کے سامنے شاگردوں کا زانوئے تلمذتہ کرنا کوئی ایک آدھ صدی کی بات نہیں بلکہ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے بلکہ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو ہمارا یہ سلسلۂ تعلیمی نسب ”صفہ“ تک جا پہنچتا ہے۔ تاہم ہمارا قریب ترین تعلق برصغیر سے ہے اور برصغیر میں بھی ہندوستان کے ایک قصبہ ”دیوبند“ سے ہے، ہندوستان بلکہ برصغیر کے تمام اہل حق کے ادارے مدرسہ عربیہ دیوبند یا مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے جا ملتے ہیں، ان دونوں مدارس کا وجود کن حالات میں ہوا؟ اس سے اہلِ علم اچھی طرح واقف ہیں کہ اکابرینِ دیوبند نے ۱۸۵۷ء کی سیاسی و عسکری پسپائی کے بعد مسلمانوں کی یکجہتی اور ان کے ایمان کی حفاظت کے واسطے ضروری سمجھا کہ اس قسم کے ادارے وجود میں آئیں، ان اداروں کا مقصد مسلمانوں کے دین کی حفاظت، عقیدہ کی حفاظت اور ان کے تشخص کی حفاظت تھا۔ الحمدللہ! آج پوری دنیا گواہ ہے کہ اکابرین دیوبند نے ان اداروں کے ذریعے اللہ تعالی کے فضل سے لوگوں کے ایمان کی نہ صرف حفاظت کی، بلکہ ان کے اندر اپنے مسلمان ہونے کا اعتزاز پیدا کیا۔

یہیں سے ان کوتاہ بینوں کی یہ بات بے بنیاد ہوکر رہ جاتی ہے کہ اہل مدارس اپنے اداروں کو "مدارس عربیہ" کا نام دیتے ہیں لیکن ان مدارس میں عربی بول چال جاننے والے کیوں نہیں؟!

درحقیقت ان مدارس کا وجود "عربی زبان" بحیثیت زبان کے، سکھانے کے لیے نہیں ہوا تھا، بلکہ ان مدارس نے ٹھیٹھ دینی علوم کی حفاظت کی ہے، اور ان علوم کے ذریعہ لوگوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی ہے۔

جہاں تک عربی زبان کے ضروری حد تک حاصل کرنے کا تعلق ہے سو اس سے اہل مدارس کبھی غافل نہیں رہے۔ چنانچہ حضرات علماءِ دیوبند کی عربی تصنیفات اس پر شاہدِ عدل ہیں، جن میں قدماء کی پختگی ورسوخ اور اہل عصر کا ذوق ووجدان مکمل طور پر دستیاب ہیں۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی "فیض الباری" حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی "بذل المجهود"، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی "فتح الملهم" شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "اوجز المسالک" حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی "معارف السنن" اور اس طرح دسیوں، بیسیوں نہیں، بلا مبالغہ سینکڑوں کتابیں ان مدارس کے ابناء کی عربیت دانی اور ان کے اعلیٰ ذوق کی بیّن دلیل ہیں۔

اس میں کسی قسم کے شک کی بات نہیں کہ دیوبند وسہارنپور نے عربی زبان کو بحیثیت علمی زبان کے استعمال تو کیا، تاہم اس کو مقصد اصلی قرار دے کر اولیت نہیں دی۔ جبکہ ان کے معاصر بعض دیگر اداروں میں اس کو اولیت تو دی گئی لیکن دیگر علوم جو اصل مقصود تھے ان کے اندر خامی پیدا ہوگئی۔

ہمارے زمانہ میں عربی زبان کی اہمیت: یہ میں نے آپ کے سامنے اپنے اکابرین کے اُس زمانے کی بات رکھی ہے، تاکہ ذہن سے یہ بات محو ہو سکے کہ ہمارے اکابرین نے عربی زبان کو دیگر بعض معاصر اداروں کی طرح اہمیت کیوں نہیں دی؟

جہاں تک آج کے زمانہ کا تعلق ہے، سو یہ بات شاید ہی کسی سے مخفی ہو کہ آج کے زمانہ اور ہمارے اکابرین کے کل کے زمانہ کے درمیان زمین وآسمان کا فرق آ گیا ہے۔

آج دنیا جس طرح سمٹ کر یکجا ہو گئی ہے مشرق ومغرب کے فاصلے سمٹ گئے ہیں پل پل کی خبریں براہ راست دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ رہی ہیں، اس کا تصور ہمارے ان بزرگوں کے زمانہ میں نہیں تھا۔

انہوں نے اپنے ذوق کی تسکین کے لیے اگر "نادی الأدب" کی بنیاد ڈالی تھی تو صرف اتنی بات کے لیے کہ اپنے "تراث" کی حفاظت ہو سکے، قدماءِ عرب اور شعراءِ اسلام کی محاکات ہو سکے۔

جبکہ آج ہم سیاسی، سماجی، معاشرتی، دفاعی، ہر ہر میدان میں مجبور ہو گئے ہیں کہ اہلِ اسلام کا دفاع کریں، اغیار کی یلغار کو روکیں، "غزوِ فکری" کے عنوان سے ہمارے اوپر جو جنگ مسلط ہے اس میں بھرپور کردار ادا کریں، اور یہ اقدامی

یا دفاعی کردار بغیر ایک مؤثر زبان کے، بغیر ایک مؤثر قلم کے، ادا کرنا ممکن نہیں۔

یہ مؤثر زبان کیا ہو؟ یہ مؤثر قلم کون سا ہو؟ اس سلسلے میں کسی ایسے شخص کا اختلاف ہرگز نہیں ہو سکتا جس کے اندر اسلام کا کچھ بھی شمّہ ہو یا اپنے مسلمان ہونے اور نبی عربی کا امتی ہونے کا ذرا بھی احساس ہو، کہ یہ زبان سوائے عربی کے اور کوئی زبان ہو نہیں سکتی۔

عصر حاضر میں صحرائے عرب میں اللہ تعالی کی قدرت ومشیت سے جو زر سیال کے ابلتے ہوئے چشمے نمودار ہوئے ہیں، انہوں نے عالمِ عرب کا مقام کہیں سے کہیں پہنچا دیا، آج حال یہ ہے کہ روس، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی جیسے دشمنان اسلام بھی اپنے اقتصادی وسیاسی مفادات ومصالح کی خاطر اہل عرب کے بادیہ نشینوں کی خوشامد اور عربی زبان سیکھنے اور بولنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اسی لیے تمام یورپین ممالک کے لیے عربی زبان وادب کی درس گاہیں کھولنا اور ان کو فروغ دینا ناگزیر ہو گیا ہے۔

آج ان ممالک کو عربی دان اساتذہ کی ضرورت ہے۔ جدید علوم وفنون کے عربی دان ماہرین کی ضرورت ہے، عربی دان ڈاکٹروں اور انجینیئروں کی ضرورت ہے، اقتصادیات وتجارت کے ماہرین کی حاجت ہے۔

اگر ہم اس صورت حال پر غور کر کے عربی زبان کی اہمیت کو سمجھ لیں اور عربی زبان وادب کو بحیثیت لازمی مضمون کے حاصل کر کے افراد کی فراہمی کر دیں تو آج عالم عرب پر منڈلاتے سارے گِدھ چھٹ جاتے۔ جو خطرات آج عالم عرب پر اور پھر عالم اسلام پر منڈلا رہے ہیں ان کا دور دور تک نام ونشان تک نہ ہوتا۔

الحمدللہ! ہندوستان وپاکستان کے مدارسِ دینیہ نے اس حقیقت کا بھرپور ادراک کیا دارالعلوم دیوبند نے تو اس سلسلہ میں قائدانہ کردار ادا کیا، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی میں دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے یہ کوشش شروع کی، اور بفضلہٖ تعالی اسے بامِ عروج تک پہنچایا، اور ماشاء اللہ انہوں نے ایک قابلِ قدر جماعت ایسی پیدا کر دی جس کی شبانہ روز کوششیں تا حال عربی زبان کے فروغ وتطویر کے لیے جاری وساری ہیں۔

پاکستان کے مدارس میں اگرچہ اس طرح کی بھرپور کوشش پہلے شروع نہیں ہو سکی۔ لیکن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابرین نے اپنے زمانہ میں بحمداللہ بعض عرب علماء کے ساتھ مل کر عربی زبان کو فروغ دینے کا کام شروع کر دیا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ماشاء اللہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی اور پھر جامعہ دارالعلوم کراچی میں عربی کی باقاعدہ ایسی درس گاہیں وجود میں آگئیں جن کی تدریسی وتعلیمی زبان ہی عربی قرار پائی۔

آج سے چند سال پیشتر تک حال یہ تھا کہ مدارس میں عربی بول چال کی کیفیت واجبی تھی، خال خال کوئی عربی بولنے

والا اور لکھنے والا ملتا تھا، اور اگر کوئی ایسا طالب علم مل جاتا تو اسے ماورائی مخلوق کا درجہ حاصل ہوجاتا تھا۔ اب الحمدللہ ! صورت حال یہ ہے کہ ہمارے ان مدارس میں نہ صرف یہ کہ عربی بول چال والے بکثرت پیدا ہوگئے ہیں بلکہ الحمدللہ! ہمارے درمیان ایسے طلبہ کی کمی نہیں جو فی البدیہ ارتجالاً عربی میں خطاب کرسکتے ہیں اور بلیغ خطبے دے سکتے ہیں۔

مجھے یاد ہے میں جامعہ دارالعلوم کراچی میں ابتدائی مدرس لگا تھا، ایک طالب علم کا درجہ ثالثہ میں داخلہ ہوا، اس کی کیفیت یہ تھی کہ جب اس سے پوچھا جاتا "ما اسمك؟" وہ کہتا "اسمك فلان"۔ لیکن جب اسے عربی کی ترغیب دی گئی، عربی نادی میں اسے شرکت کا موقع ملا، تو سال گذرنے نہیں پایا تھا کہ وہ عربی کا فی البدیہ خطیب بن چکا تھا۔

یہ صرف ایک مثال نہیں بلکہ اس کی دسیوں مثالیں میرے سامنے موجود ہیں۔

ایک طالب علم نے میٹرک پاس کرکے درجہ اولیٰ میں داخلہ لیا، عربی سے ذرہ برابر کوئی واقفیت نہیں تھی، لیکن چند مہینوں کی دلچسپی سے یہ طالب علم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کے صحیفۂ جداریہ نکالنے لگا اور سالانہ امتحان میں عربی میں پرچے حل کرنے کے قابل ہوگیا۔

اور الحمدللہ! اب تو یہ سلسلہ ایسا چل پڑا ہے کہ عرب علماء آکر محسوس کرتے ہیں کہ ہم عجمیوں میں نہیں، خالص عرب ماحول میں ہیں، وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

اس وقت تقریباً تمام قابل ذکر مدارس میں عربی کی مخصوص درسگاہیں "معهد اللغة العربية" کے نام سے یا "القسم العربی" کے نام سے وجود میں آچکی ہیں۔ بعض اداروں میں "**تخصص فی اللغة والادب**" کا اجرا ہوچکا ہے۔

جامعہ فاروقیہ سے مجلّہ "الفاروق" عربی ایک عرصہ دراز سے عربی کے فروغ میں کردار ادا کررہا ہے۔

اسی طرح جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے "البینات" کے نام سے عربی مجلّہ ایک عرصہ سے جاری ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی سے بھی عنقریب عربی مجلّہ البلاغ کے صدور کی نوید مل رہی ہے

ان مدارس میں اور دیگر مدارس میں طلبہ کی صحت مند سرگرمیوں میں عربی کی نشاطات کافی ہیں، ہر ادارہ میں طلبہ ہفتہ وار، ماہوار مجلات وصحف جداریہ نکال کر اپنے ذوق کو پروان چڑھا رہے ہیں۔

میں یہاں اپنے ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا تو احاطہ نہیں کرسکتا جو عربی زبان کے فروغ کے سلسلہ میں کوششیں کررہے ہیں، البتہ صرف مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ان کے ذکر کو میں نے ضروری سمجھا ہے۔

کیا عربی کے فروغ کے لیے اسی قدر محنت کافی ہے؟

یہ کوششیں جو میں نے گوش گذار کیں، کیا عربی زبان کے فروغ اور مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے یہی کافی ہیں ؟ یا اس سلسلے میں مزید اقدام کی ضرورت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اب تک جو کوششیں صرف ہوئیں وہ اپنی جگہ نہایت قابلِ قدر سہی، لیکن ابھی اس سلسلہ میں مزید

محنت اور اقدام کی حد سے زیادہ ضرورت ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے کئی تحدیات (چیلنجز) ہیں جن کے مقابلے کی ضرورت ہے۔

(۱)......ایک طرف عربی زبان کی عالمگیریت، اہمیت، فضائل ومناقب اور ہمہ گیریت ہے، دوسری طرف انگریزوں اور یورپین ممالک کی سرگرمیاں ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ عربی زبان کے اندر الحمدللہ! ہر جدت کو ہضم کرنے کی صلاحیت موجود ہے، جدید سے جدید اصطلاح کو عربی کے سانچہ میں ڈھالنے کی قوت موجود ہے۔ اس کے باوجود عالمِ عرب کے اتنے ممالک اور ان کی افرادی قوت کے ہوتے ہوئے، نیز عالم اسلام جس کا دینی اور جذباتی لگاؤ عربی زبان سے ہے، اس کے باوجود انگریزوں نے اپنی شاطری اور ہوشیاری کے ذریعہ اور مسلمانوں کے تعیش میں پڑنے کی وجہ سے یہ برسرزمین حقیقت اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ انگریزی کا جادو پوری دنیا پر سر چڑھ کے بول رہا ہے۔

آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبان صرف انگریزی سمجھی جاتی ہے، انٹرنیٹ کی بنیادی زبان آج تک عربی میں رائج نہیں ہوسکی۔

یہ خدانخواستہ عربی زبان کی اپنی خامی یا کوتاہی ہرگز نہیں، البتہ عربی زبان بولنے والوں اور اس کی طرف انتماء وانتساب رکھنے والوں کی کوتاہی ہے۔

ایسے موقع پر مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آتا ہے جو انہوں نے امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ امام لیث مرتبہ ومقام اور علمیت کے اعتبار سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی بھی طرح کم نہیں تھے تاہم امام مالک کو ایسے شاگرد میسر ہوئے کہ انہوں نے ان کو اوجِ ثریا پر پہنچا دیا، جبکہ امام لیث بن سعد کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہوسکی۔

بعینہ یہی صورت حال آج انگریزی اور عربی زبانوں کے ساتھ ہے، انگریزی کو باوجود اس کی ہزار خامیوں کے رواج دینے والے اور خدمت کرنے والے ایسے میسر آئے کہ اس کی نظیر نہیں، جبکہ حالیہ زمانے کے لحاظ سے عربی کی جس طرح خدمت کرنی چاہیے تھی وہ خدمت نہیں ہوئی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے اندر ہم دینی تحمس پیدا کر کے، ایک مشن سمجھ کر عربی زبان وادب کو فروغ دیں اور یہ ثابت کر دیں کہ جس طرح دنیا کے بہت سے ممالک اپنے یہاں انگریزی کا ایک لفظ بھی استعمال نہیں کرتے، ہمیں بھی عربی زبان کے مقابلہ میں انگریزی سمیت کسی بھی عجمی زبان کی ضرورت نہیں۔ اس تحمس کے ساتھ پھر ہمہ جہتی اقدام کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں اصل کردار تو حکومتیں ادا کرسکتی ہیں، لیکن یہ کیا ایک حقیقت نہیں کہ علماءِ دین اور اصحابِ مدارس نے کبھی بھی کسی دینی کام کو حکومت پر تکیہ کرتے ہوئے چھوڑے رکھا ہو، ایسا کبھی نہیں ہوا، بلکہ اپنی بساط بھر کوشش، انفرادی واجتماعی

طور پردہ کرتے رہے ہیں۔ یہاں بھی اسی طرح کی کوششوں کی ضرورت ہے۔

اس کے فروغ کے سلسلے کو اگر ہم اپنے پاس آنے والے طلبہ وطالبات تک محدود نہ رکھیں بلکہ ہم اپنے ان مسلمان بھائیوں اور بہنوں تک بھی پہنچا سکیں جو ہمارے پاس نہیں آتے، تو یہ ایک نہایت مؤثر اقدام ہوگا۔

اس کی اہمیت اس طرح اور بڑھ جاتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں انگریزی خواں طبقہ کی بہتات ہے، انگریزی بحیثیت ایک زبان کے بالکل معصوم سہی، اس کے اثرات کے لحاظ سے اسے معصوم ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا، اس زبان کے بارے میں ہمارے اکابرین کے سخت اقوال اس کی اسی بری اثر آفرینی کی وجہ سے ہے۔

انگریزوں کے ممالک کی یاترا، انگریزی جرائد ومجلّات کی بھرمار، انگریزوں کی بودوباش، یہ ساری چیزیں ہمارے طبقہ اشرافیہ پر اثر انداز ہیں، جبکہ یہ بات بھی مبنی برحقیقت ہے کہ اگر عربی زبان کو فروغ دیا جائے اور ایسے طبقوں کے اندر عربی زبان رائج ہوجائے تو اس کے لاشعوری طور پر بھی اثرات ظاہر ہوں گے۔

اس کی بعینہ مثال وہی ہے جو صحبتِ صالح وصحبت طالح کی مثال حدیث شریف میں دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص عطار کے پاس بیٹھ جائے، چاہے وہ عطر اور خوشبو نہ بھی لگائے تب بھی وہ اس سے مستفید ضرور ہوتا ہے، جبکہ وہ شخص کسی لوہار کے پاس بیٹھتا ہے وہ اگرچہ آگ کی وجہ سے نہ جھلسے تاہم اس کے دھویں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اس وقت ضرورت ہے کہ اہل مدارس اپنے مدرسوں کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں عربی کے فروغ کے لیے باقاعدہ مراکز کھولیں، جس طرح اور جس انداز میں انگریزی کو پھیلایا جارہا ہے اسی طرح اور اسی انداز میں، مگر جائز حدود میں رہتے ہوئے، عربی کے فروغ کی کوشش کی جائے۔

یہ عربی کے فروغ کی کوشش لوگوں کو دین کے قریب لائے گی، قرآن کریم کے قریب لائے گی، عبادت کے قریب لائے گی اور معاشرے میں اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔

دنیادار طبقہ دین کو معاذ اللہ فائدہ مند نہیں سمجھتا، تاہم وہ عربی زبان کے فوائد اور اس کے سیاسی واقتصادی مفادات ومصالح سے ضرور واقف ہے، اس لیے عربی زبان کے بہانے وہ دین سے قریب تر ہوجائے گا۔

(۲)......اس وقت پورے عالم کے لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ مادہ، مادیات اور دنیا کی چکاچوند اور خیرہ کردینے والی رونقیں ہیں، ہر شخص کے پیش نظر مال ودولت اور کمالیات کا حصول ہے، ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں اسلامی نقطۂ نگاہ سے سم قاتل ہیں۔

دنیا والوں کو اس ورطہ سے نکالنے کے لیے ہمارے پاس قرآن کریم اور حضور ﷺ کی سیرت کا طلسماتی نسخہ موجود ہے۔

ہماری نالائقی اور سستی کی وجہ سے قرآن کریم پر ہاتھ صاف کرنے والے آج وہ لوگ ہیں جنہوں نے انگریزوں کے

پاپوش کی صفائی میں اُپنی زندگیاں بتادیں، نتیجہ یہ کہ انگریزوں اور دیگر اقوامِ عالم کے سامنے نہ تو قرآن کریم کے معانی ومفاہیم صحیح اور درست انداز میں پہنچ پارہے ہیں اور نہ ہی حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور آپ کا اُسوۂ حسنہ اس کے اصلی روپ میں پہنچ پارہا ہے۔

ہدایت کے ان دونوں سرچشموں کو ان کی اصلی ہیئت میں پہنچانے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ کوئی شک نہیں کہ اس کی اولین ذمہ داری اولوالامر اور اصحابِ اقتدار پر ہے۔ لیکن آج جن کو انگریزوں کی کاسہ لیسی سے فرصت نہیں وہ کب اس ذمہ داری کو اٹھاسکتے ہیں؟!۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ذمہ داری بھی حضراتِ علماء اور اصحابِ مدارس کے کاندھوں پر ہے جو اس دین کے اصل رکھوالے اور پہرے دار ہیں۔

آج پوری دنیا میں شور ہے کہ فلاں ملک نے گستاخ خاکے شائع کیے ہیں اور فلاں فلاں ممالک گستاخی کے مرتکب ہیں، اس کے لیے ہم ہزار بائیکاٹ کا علاج سوچتے ہیں، لیکن ہمارا ایسا کوئی علاج کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا علاج سوائے اس کے کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کی سیرت کو ان دریدہ دہنوں کے سامنے اپنی اصل شکل وہیئت کے ساتھ پہنچاسکیں، حضور ﷺ کی سیرت اپنے آپ کو خود منوائے گی اور "وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ " کا مظہر عالم پر آشکار ہوکر رہے گا۔

اور یہ بات تو مسلّم ہے کہ عربی زبان میں جس قدر سیرت نگاری کا کام ہے کسی بھی زبان میں نہیں ہے۔

(۳)......مدارس کے پیش نظر ایک چیلنج یہ بھی ہے کہ آج دینی مدارس اور پختہ کار علماء کے اِشراف وسرپرستی کے بغیر اپنی ذاتی ذہانت وفطانت کے بل بوتے پر یا عالم عرب کے کاروباری وسیاسی چکر لگاکر بہت سے طالع آزما عربی دانی کے منصب پر فائز ہوجاتے ہیں، ایسے لوگ دین سے بے بہرہ ہونے اور ملاحدہ کی صحبت ومعاشرت کے پلے ہوئے ہونے کی وجہ سے عربی زبان میں وہ زہر اگلتے ہیں کہ الأمان والحفیظ!! دین کے مسلّمات مشکوک قرار پاتے ہیں اور ہمارا دنیادار طبقہ دین کے واسطے ایسے لوگوں کو اتھارٹی سمجھنے لگتا ہے۔

جب تک کسی علم کو دین کے دائرہ میں رکھ کر حاصل نہ کیا جائے تو ایسے علوم گمراہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔

آج ہمارے ملک میں ایسے کئی افراد مشہور ہیں جن کی عملی حالت قابلِ رحم ہے اور وہ شیخ التفسیر والقرآن بنے ہوئے ہیں، مال دار طبقہ کو متاثر کرنے کے لیے بھاری بھرکم الفاظ کا استعمال اور عربی دانی کا اظہار کافی سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ان سے تفسیر کی کس قسم کی خدمت ہوگی! وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں بعض وہ بزعم خود علامہ بھی ہیں جو ٹی وی چینلوں کے ذریعہ "تعلیم یافتہ" طبقہ کے لیے سند بن کر نازل ہوتے اور دین کے مسلّمات کے بخیے ادھیڑتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ عربی زبان بحیثیت ایک زبان کے اس کے اندر جہاں رشد و ہدایت کی بے شمار راہیں ہیں، وہاں یہ گمراہی وضلالت کا بھی زبردست ذریعہ ہے

''یضل به کثیراً ویهدی به کثیراً'' تو قرآن کریم کا وصف بھی ہے۔

جب تک ہم عربی زبان کی تحصیل اور اس کی مہارت کو دینی اطار اور فریم کے اندر نہیں لاتے، اس وقت تک یہ ہمارے لیے رحمت کے بجائے زحمت ہے اور زبردست وبال ہے ایسی صورت میں ہمارے معاشرے میں '' غامدی'' جیسے مرد اور ''وفاء سلطان'' جیسی عورتیں ظاہر ہوتی رہیں گی۔ ہاں! اس کو دین کے تابع کر کے استعمال کیا جائے، تو پھر رشد و ہدایت کا ایسا زبردست ذریعہ ہے کہ اس سے چار دانگ عالم روشن ہو جائیں۔ مدارس اور اہلِ مدارس جہاں اس ملک کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ کہلاتے ہیں یہی عربی زبان کی صحیح حفاظت اور عربی کے راستے سے نمودار ہونے والی ضلالت کا صحیح مقابلہ کر سکتے ہیں۔

عربی زبان کے فروغ کے لیے چند تجاویز

اہل مدارس کو کن جہات سے کوششیں کرنی چاہیے؟ احقر کے ناقص خیال میں اس محنت کو کم از کم دو حصوں میں منقسم کرنا چاہیے۔ ایک محنت مدارس میں آنے والے طلبہ وطالبات پر۔ دوسری محنت عام لوگوں پر۔

عام لوگوں پر محنت: جہاں تک عام لوگوں پر محنت کا تعلق ہے، سو ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ مدارس ان کے لیے مختلف سینٹروں کا افتتاح کریں، ان میں درس قرآن کے ساتھ ساتھ بنیادی عربی کی تعلیم اور بول چال کی مشق کرائی جائے۔

اس طرح ان لوگوں کا ربط ضبط علماء سے ہوگا اور بہت سارے فتنوں کا سدِّ باب ہوگا۔ ساتھ ساتھ ہمارے تاجر طبقے کے اندر عالمِ عرب کے ساتھ تجارتی تعلقات فروغ پائیں گے۔

طلبہ وطالبات پر محنت: دوسری محنت جو طلبہ وطالبات پر کرنے کی ہے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ

(۱)...... ہم لوگ ''الطریقة العصریة'' سے لے کر ''دیوان الحماسة'' تک مختلف ادب وانشاء کی کتابیں پڑھاتے ہیں، بہت ہی معذرت کے ساتھ گذارش کی جاتی ہے کہ ادب کی کتابیں پڑھانے کا طرز اور طریقہ بدلنے کی ضرورت ہے۔

ادب کی کتاب کو محض نحو اور صرف کی کتاب بنا دینا، اس کے مقصد کو محو کر دینا ہے۔

آج بیشتر مدارس میں جہاں مستقل عربی کی درس گاہیں نہ سہی، عربی ادب کی چھوٹی بڑی کتابیں تو پڑھائی جاتی ہیں لیکن ان کو صرف اور نحو کا ملغوبہ بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔ ''ادب'' کی کتاب کا اثر طلبہ وطالبات پر بھی پڑے، زندگی کی زندہ مثالیں پیش کی جائیں، متنوع مثالوں کے ذریعہ اجرا کر کے مشق کرائی جائے، فروق لغویہ کی طرف خاطر خواہ توجہ دی جائے، اسلوبِ نگارش پر تبصرہ ہو، محاورات اور ضرب الامثال کے معانی ومحامل کی تعیین ہو، یہ انداز ناپید ہے۔

جبکہ ادب کی کتابیں ”الکامل“ للمبرد، ”الأمالي“ لأبی علی القالی، ”العقد الفرید“ لابن عبدربہ ”البیان والتبین“ للجاحظ، ”شرح المقامات“ للشریشی پر سرسری نظر ڈالی جائے، تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ ادب کیا چیز ہے؟ اس میں کس چیز پر ترکیز کی گئی ہے۔

روایتی انداز اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عربی ادب وانشاء کی کوئی بھی کتاب ابھی وجود میں آتی ہی ہے کہ اس کی کلید حل اور شرح کے نام سے کتاب وجود میں آجاتی ہے، ابداعی طبیعت نہ ہونے اور مدارس کے اندر صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے یہی ”مفتاح“ مدار بن کر رہ جاتی ہے، اس طرح صلاحیتوں کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔

اگر ہم ادب وانشاء کی کتابوں کو مخصوص طرز وانداز اور مخصوص مثالوں کی قید سے آزاد کرکے کام کریں تو کوئی ”مفتاح“ وجود میں نہ آئے۔

میں مفتاحوں اور شروحات کی افادیت کا انکار نہیں کررہا، تاہم ان کے اس ضرر رساں پہلو کی طرف متوجہ کررہا ہوں۔

(۲)...... الحمدللہ! ہمارے بہت سے مدارس میں عربی کی باقاعدہ درس گاہیں وجود میں آچکی ہیں بلکہ بعض بعض مدارس میں تو کامل مکمل عربی زبان ہی میں تدریس ہورہی ہے، یہ ایک صحت مند رجحان ہے۔

تاہم اب تک ہمارے بیشتر مدارس میں عربی زبان کی تدریس کا مستقل انتظام نہیں ہے۔ اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

پھر جن مدارس میں ”معہد“ یا ”القسم العربی“ کا شعبہ موجود ہے ان میں ایک رجحان یہ بھی چل رہا ہے کہ بسا اوقات اس میں عربی کے بجائے اردو استعمال کی جارہی ہے۔

اور پورا سبق اردو میں ہورہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ انتہائی افسوس ناک ہے!

اس طرح کے رجحانات کی کیا وجوہات ہیں؟ ان وجوہ کا معلوم کرنا اور ان کا تدارک کرنا اربابِ اہتمام وانتظام کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ یہاں ان جزئیات کا ذکر مناسب بھی نہیں اور ممکن بھی نہیں۔

البتہ اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ عربی کی تدریس کے لیے غیر معمولی صلاحیت کے حامل اور اس زبان سے دلچسپی رکھنے والے اہل افراد کی تعیین ہونی چاہیے جو مشن سمجھ کر اور عشق کے جذبہ کے ساتھ کام کریں۔

(۳)...... ہر ادارہ میں کم از کم ایک کمرہ یا لائبریری ایسی ہو جس میں اہم اور ضروری کتابیں ہوں اور عالم عرب سے شائع ہونے والے اخبارات وجرائد اور مجلات مہیا ہوں۔

انٹرنیٹ کی موجودگی نے اب یہ کام انتہائی آسان کردیا ہے، آج عالمِ عرب کا کوئی قابل ذکر رسالہ یا اخبار ایسا نہیں جو ”نیٹ“ پر موجود نہ ہو، ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ (۴)...... ہمارے زمانے میں انٹرنیٹ کا جو نفوذ ہورہا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں، اور یہ دو دھاری تلوار ہے، اگر اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو سالوں کی محنت دنوں اور گھنٹوں میں

سمٹ آتی ہے۔ اگر اہلِ مدارس اس کا صحیح طور پر استعمال کریں تو اس کی افادیت بہت زیادہ پھیل سکتی ہے، اب تو بہت سے مدرسوں کی با قاعدہ سائٹس وجود میں آچکی ہیں۔

اگر ہم ان سائٹس میں عرب سائٹس کی طرح ''منتدیات'' کا سلسلہ شروع کریں تو افادہ واستفادہ کا ایک بڑا راستہ کھل جائے گا۔

نیز اس کے ذریعہ ہم عربی زبان کے لہجہ اور اسلوب کو براہ راست عرب علماء وشیوخ کے محاضرات کے ذریعہ سیکھ سکتے ہیں۔

جس طرح آج ہم اہل مدارس طلبہ وطالبات کو موبائلوں کے استعمال سے نہیں روک سکتے، اسی طرح ہم انٹرنیٹ کے اجمن ستعمال سے روکنے پر بھی قادر نہیں ہیں، سو بجائے اس کے کہ طلبہ وطالبات فضول چیٹنگ اور دین ودنیا کو برباد کرنے والی مشغولیات میں مبتلا ہوں ان کو صحت مند رجحان کیوں نہ فراہم کردیں؟!

آخر میں اتنی بات عرض کرکے ختم کرتا ہوں کہ:

اصل بنیادی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے کتابی ونشری وسائل نہیں بلکہ ''زندہ انسان'' کی ضرورت ہے، جس کے اندر زندگی متحرک ہو، زمانہ کی چال سمجھتا ہو، سرد وگرم چشیدہ ہو، لغت واسلوبِ عرب سے واقف ہو، ایسے مردِ باکمال کے ذریعہ مردہ قوم کے اندر جان پڑسکتی ہے۔ اور حیویت ومعنویت وجود میں آسکتی ہے، اس کی کوششیں جاری رکھی جائیں۔

آخر میں اپنی اس طویل سمع خراشی پر تمام حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان باتوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور افادہ واستفادہ کا ذریعہ بنائے۔ وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین۔

☆......☆......☆

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ملفوظ

طالب علموں کے لیے فرمایا کہ اللہ اللہ کرنا بہت آسان ہے کیونکہ اس میں لذت بھی ہوتی ہے اور جاہ عند الناس بھی اور کوئی مشقت بھی نہیں ہوتی، لیکن تعلیم وتدریس سخت مشکل کام ہے کیونکہ اس میں تعب عظیم ہوتا ہے، اولاً تحصیل میں، ثانیاً مطالعہ میں، ثالثاً القاء واملاء بر طلبہ میں، اس میں مشغول ہونا اہل علم کا اصل کام ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۲۸/۱۳)